تفسیر روح المعانی میں فقہ جعفریہ سے متعلق منتخب مباحث کا ایک تحقیقی مطالعہ

An Overview of the Selected topics regarding Fīqh Jāāfārīā inTāfseer Roohūl Mā'ānī

احسان الدین[i] ڈاکٹر عطاء الرحمان[ii]

Abstract

Āllāmā Āālosī, a prominent scholar of the Thirteenth hijri century was an interpreter, jurisprudent and master of Arabic Language. He wrote a Tāfseer of the Holy Qūrān with the name of Roohūl Mā'ānī. He discussed many Qūrā'nīc Sciences in it. Being a scholar of the Jurisprudence of the Hānfī school of thought, he responded to the views of many scholars under several verses of the Holy Qūr'ān. Many times, he presented a view which is quite, different from other scholars. He responded many times to Jāāfārīā (Shīā) school of thought, which is named after the great Īmām Jāāfār Sādīq. This school of thought (Fīqh Jāāfārīā), holds a different view in many points i.e. it considers three times divorce as one. It considers fasting as compulsory even in the illness or in journey. It says that the inheritance of the Holy Prophet (SAW) will be distributed like the inheritance of other Muslims, but the other schools of thoughts have opposite views. They consider the marriage with Jews and Chrisitian as illegal. They consider legal without any reason the combination of Salat (Zūhūr and Asār) and (Māghrīb and Eshā). This article covers some of these topics related to fīqh Jāāfārīā and explain that how Āllāmā Āālosī responds to them with reasons in his Tāfseer Roohūl Mā'ānī.

Key words: Fīqh Jāāfārīā, Fasting, divorce, Mūtā'ā

تمہید

تفسیر روح المعانی علامہ آلوسیؒ کی تفسیر ہے، جو تفسیر بالروایۃ کے ساتھ ساتھ تفسیر بالدرایۃ کا بھی ایک نادر نمونہ ہے۔اس میں علامہ آلوسیؒ قرآنی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مختلف فروعی مسائل کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں، جن میں امام جعفر

i پی ایچ ڈی سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، یونیورسٹی آف ملاکنڈ، دیر لوئیر

ii پروفیسر و ڈین فیکلٹی آف آرٹس، یونیورسٹی آف ملاکنڈ، دیر لوئیر

صادقؒ کو منسوب فقہی مسلک کے وہ مسائل بھی شامل ہیں جن میں آپؒ نے جمہور سے ہٹ کر الگ رائے قائم کی تھی۔ وہ مسائل کیا ہیں اور ان میں آپؒ کی رائے کیا ہیں؟ اس آرٹیکل میں ان کا تفصیلی و تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ تفسیر روح المعانی اور فقہ جعفریہ پر الگ الگ سے بہت تحقیقی کام ہو چکا ہے، مگر اس خاص نہج پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا ہے۔ طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے امام آلوسیؒ، آپ کی تفسیر روح العانی اور فقہ جعفریہ کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے، پھر وہ مسائل تحقیقی انداز میں ذکر کئے گئے ہیں، اور آخر میں خلاصۃ البحث کے عنوان سے اس آرٹیکل کا نچوڑ بیان کیا گیا ہے۔

علامہ آلوسی کا تعارف

اصل نام محمود الحسینی، کنیت ابو الثناء اور لقب شہاب الدین تھا۔ آپ کا شمار بڑے مفسرین، محدثین اور مجتہدین میں ہوتا ہے۔ آپ بغداد میں سنہ ۱۸۰۲ء بمطابق ۱۲۱۷ھ کو پیدا ہوئے اور یہی پر ۱۸۵۴ء بمطابق ۱۲۷۰ھ کو فوت ہوئے [1]۔

تفسیر روح المعانی کا تعارف

علامہ آلوسیؒ اپنی تفسیر کے مقدمے میں رقمطراز ہیں کہ ابتداء ہی سے قرآن میں غور و فکر میری عادت تھی۔ میرے ذہن میں ایک تفسیر لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ ۳۴ سال کی عمر میں ۱۶ شعبان ۱۲۵۲ھ کو میں نے اس پر کام شروع کیا۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ ۱۲۶۷ھ کو جب یہ مکمل ہوئی تو میں اس کے لئے موزون نام منتخب کرنے پر غور کرنے لگا، لیکن کامیابی نہ ملنے پر میں نے یہ مسئلہ وزیر الوزراء علی رضا باشا کے سامنے رکھ دیا، جنہوں نے بلا تاخیر اس کا نام "روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی" رکھ دیا۔ یہ انتہائی مشہور اور مطبوع تفسیر ہے۔

تفسیر کی نوعیت

تفسیر کے مختلف اقسام ہیں جن میں تفسیر بالروایۃ، تفسیر بالدرایۃ، لغوی تفسیر، احکامی تفسیر وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ایک جامع تفسیر ہے جس میں علامہ آلوسیؒ نے مذکورہ اقسام تفسیر کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور سابقہ تفاسیر کا خلاصہ تیار کیا ہے۔

اسلوب

علامہ آلوسیؒ اعتقادی مسائل میں سلف صالحین کی پیروی پر کاربند نظر آتے ہیں۔ بدعتی فرقوں کی آراء کو عالمانہ انداز سے رد کرتے ہیں۔ علم نحو سے متعلقہ تحقیقات اور مباحث میں انتہائی عرق ریزی سے کام لیتے ہیں۔ کلامی مسائل پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ غیر مستند روایات اور اسرائیلیات سے احتراز کرتے ہیں اور جابجا ان پر شدید تنقید بھی کرتے ہیں۔ آیات کونیہ اور طبعی سائنس سے متعلقہ آیات کی تفسیر میں سائنس اور جدید علوم سے استفادہ کرتے ہیں۔ صوفیائے کرام کے طرز پر اِشاری تفسیر بھی لکھتے ہیں، لیکن ظاہری تفسیر کو حقیقی تفسیر قرار دیتے ہیں۔

فقہ جعفریہ کا مختصر تعارف

یہ امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب ہے جو محمد باقرؒ کے بیٹے اور علی زین العابدین کے پوتے تھے۔ شہر نبی (مدینہ منورہ) میں پیدا ہوئے اور وہی ۱۴۸ھ کو اللہ تعالی کو پیارے ہوگئے۔ امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ امام مالکؒ اور دیگر آئمہ ان کے شاگرد تھے[2]۔ فقہ جعفریہ کے دیگر آئمہ میں ابو جعفر صفارؒ، کلینیؒ، شیخ صدوقؒ، محقق طوسیؒ، اور نجم الدین حلیؒ وغیرہ نامور فقہاء گزرے ہیں۔الکافی، من لا یحضرہ الفقیہ، الاستبصارفیمااختلف فیہ من الاخبار، تہذیب الاحکام اورشرائع الاسلام فقہ جعفریہ کی مشہور اور متداول کتابیں ہیں[3]۔ تفسیر روح المعانی جامع تفسیر ہے۔ مصنف نے تفسیر میں فقہی مسائل پر بحث کی ذیل میں متعدد مقامات پر فقہ جعفریہ کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کی ذیل میں بطور نمونہ چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں، تاکہ فقہ جعفریہ کے حوالے سے مؤلف کے منہج سے آگاہی حاصل ہو جائے۔

1. "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ"[4]

"پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔"

- **حالت سفر و مرض میں روزہ رکھنا**

اس آیت کے ضمن میں علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

"اکثر فقہاء کی رائے میں مریض اور مسافر کو روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں اختیار ہے۔ امام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ کے نزدیک روزہ پسندیدہ ہے اور شافعیؒ، احمدؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک افطار افضل ہے۔ امامیہ اور ظاہریہ کے نزدیک روزہ رکھنا صحیح نہیں اور افطار واجب ہے۔ یہی قول ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابو ھریرۃؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت کی طرف بھی منسوب ہے۔ امامیہ نے اپنی اس رائے کی تائید میں آئمہ اہل بیت سے روایات بھی لائی ہیں[5]"

2. "الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ"[6]

"طلاق (زیادہ سے زیادہ) دو بار ہونی چاہیئے، اس کے بعد (شوہر کے لیے دو ہی راستے ہیں) یا تو قاعدے کے مطابق (بیوی کو) روکے رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کرلے) یا خوش اسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گزر جانے دے)۔"

- **بیک وقت تین طلاق**

لکھتے ہیں اگر کسی نے بیک وقت تین طلاقیں دیدیں تو جمہور اہل اسلام کے نزدیک یہ واقع ہو جائیں گی، لیکن یہ شخص گناہ گار ہوگا، جب کہ امامیہ اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ یہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی، پھر فریقین کی دلائل نقل کرکے جمہور کی رائے کو فوقیت دی ہے اور آئمہ اہل بیت سے بھی اس کے حق میں روایات نقل کی ہیں۔ پھر سورۃ طلاق کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ امامیہ کے ہاں حیض کی حالت میں طلاق اور بیک وقت تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی۔ جو کہ سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہوں گی[7]۔

3. "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ"[8]

"اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اور اگر (صرف) عورتیں ہی ہوں، دو یا دو سے زیادہ، تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو، انہیں اس کا دو تہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک عورت ہو تو اسے (ترکے کا) آدھا حصہ ملے گا۔"

- **ترکہ نبوی اور وراثت**

درج بالا آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

"آپؐ کی وراثت، حکم میراث کے عموم سے، مستثنیٰ ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نحن معاشر الأنبياء لا نورث "ہم انبیاء جو ہیں ہماری میراث نہیں ہوتی[9]، لیکن امامیہ اس عموم کے قائل نہیں۔ شیعہ امامیہ روایات کے مطابق فاطمہؓ نے ابو بکرؓ سے کہا: "اے ابو قحافہ کے بیٹے تو تو اپنے باپ کی میراث پائے گا اور میں نہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے۔[10] وہ کہتے ہیں کہ یہ خبر ابو بکرؓ کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کی ہے اور اگر کی بھی ہو تو خبر واحد ہونے کی وجہ سے اس سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز نہیں۔ عمرؓ نے فاطمۃ بنت قیس کی روایت کو رد کیا تھا کیونکہ اس سے اس آیت کی تخصیص لازم ہوتی تھی أَسْكِنُوهُنَّ۔۔۔الآیۃ[11] وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ظنی کو بنیاد بنا کر قطعی کو چھوڑنا درست نہیں۔ وہ درج ذیل آیات کی بنیاد پر بھی اس حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے۔ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ[12] "اور سلیمان کو داؤد کی وراثت ملی" فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ[13] "لہذا آپ خاص اپنے پاس سے مجھے ایک ایسا وارث عطا کر دیجیے۔ جو میرا بھی وارث ہو، اور یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد سے بھی میراث پائے" کیونکہ ان آیات مبارکہ میں واضح طور پر مذکور ہے کہ انبیاء میراث لیتے بھی ہیں اور چھوڑتے بھی۔ اس کے جواب میں علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث درج ذیل صحابہؓ سے بھی مروی ہے۔ حذیفۃ بن یمانؓ، زبیر بن العوامؓ، ابو الدرداءؓ، ابو ھریرۃؓ، عباسؓ، علیؓ، عثمانؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ عمر بن خطابؓ نے صحابہ کرام (حضرت علیؓ، عثمانؓ، عباسؓ، عبد الرحمٰن بن عوفؓ، زبیر بن عوامؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ) سے کہا: میں آپ لوگوں سے اللہ کی قسم دے کر جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، پوچھتا ہوں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم (انبیاء) چھوڑ کر جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے"۔ ان حضرات نے تصدیق کی کہ جی ہاں بیشک انہوں نے فرمایا تھا۔ اب عمرؓ علیؓ اور عباسؓ کی طرف مخاطب ہوئے اور ان سے پوچھا۔ میں آپ حضرات کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، کیا آپ حضرات کو بھی معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے

یا نہیں ؟ انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک ایسا فرمایا ہے۔[14] تو یہ کہنا کہ اس کو ابو بکرؓ کے علاوہ کسی اور نے روایت نہیں کی ہے، درست بات نہیں۔ شیعہ روایات میں بھی اس کی تائید ملتی ہے۔ امام جعفر صادقؒ سے کلینی نے روایت کی ہیں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں انبیاء میراث میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے، بلکہ ان کی وراثت یہ احادیث ہیں پس جس نے ان احادیث سے کچھ لے لیا اس نے کافی حصہ پالیا۔[15] اہل سیر وتاریخ کے اجماع سے یہ ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ کا ترکہ آئمہ اہل بیت کے ہاتھ لگ گیا جو کہ شیعہ کے نزدیک معصوم اور اہل السنۃ کے نزدیک محفوظ ہیں، تو انہوں نے اس سے نہ تو عباسؓ اور ان کے بیٹوں کو دیا اور نہ ہی ازواج مطہرات کو، حالانکہ اگر یہ وراثت کے عمومی قانون میں داخل ہوتا تو وہ ان کو اس میں ضرور حصہ دار قرار دیتے تھے۔ پھر لکھتے ہیں ذکر شدہ بحث سے ثابت ہوا کہ یہ خبر واحد نہیں بلکہ متواتر ہے اور اگر مان لیا جائے کہ خبر واحد ہے تو آئمہ اربعہ کے نزدیک قول صحیح کے مطابق اس سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز ہے، جس کی سب سے بڑی دلیل حضرات صحابہ کرام کا یہ بلا انکار اجماع ہے۔ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ "ان عورتوں کے علاوہ دیگر تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔[16] اس میں بیوی کی پھوپھی اور خالہ سے نکاح داخل ہے، لیکن نبی کریمؐ کے اس فرمان سے اس میں تخصیص کی گئی ہے کہ لا تنکحوا المرأة علی عمتها ولا علی خالتها "بیوی کی پھوپھی اور خالہ سے نکاح نہ کرنا"[17] شیعہ نے بھی اس عموم میں اخبار آحاد سے تخصیص مان لی ہے۔ مثال کے طور پر وہ غیر منقولہ جائیداد میں سے بیوی کو حصہ نہیں دیتے۔ اسی طرح میت کی تلوار، مہر اور لباس کا حقدار بڑے بیٹے کو قرار دیتے ہیں اور یہ ان اخبار آحاد کی بناء پر ہے جن کی روایت میں شیعہ متفرد ہیں اور آیات کی عموم کے بر خلاف ہیں۔ جہاں تک حضرت عمرؓ کے قول سے استدلال کا تعلق ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خبر واحد سے تخصیص کے قائل نہیں، بلکہ یہاں پر وہ اس خبر واحد کی صحت میں متردد ہیں اور جہاں تک مذکورہ دونوں آیات سے استدلال کا تعلق ہے تو یہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے، کیونکہ یہاں وراثت سے مراد علم نبوت اور کمالات کی وراثت ہے، نہ کہ مال وسامان کی وراثت۔ اس کی تائید کلینی کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سلیمانؑ نے داؤدؑ کی میراث پائی اور محمد ﷺ نے سلیمان کی میراث پائی[18]۔ کیونکہ آپؐ اور سلیمانؑ کے مابین مالی وراثت کی کوئی تصور نہیں کی جاسکتی، نیز تاریخ کے مطابق حضرت داؤدؑ کے انیس بیٹے تھے جو سب کے سب اس لحاظ سے ان کے وارث تھے تو سلیمانؑ کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بنتی اور نہ اس وراثت میں سلیمانؑ کا کوئی امتیازی شان ہے، کیونکہ اس میں تو نیکوکار اور بدکار بچے یکساں ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پھر ازواج مطہرات کو ان کے مکانات کیوں مل گئے ؟ لیکن یہ بطریق وراثت نہیں بلکہ آپؐ نے ہر ایک کو اس کا مکان بطور تملیک اپنی حیات طیبہ میں دیا تھا، جیسا کہ اسامہؓ اور فاطمہؓ کو دیا تھا۔ قرآن کریم میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ "اور

اپنے گھروں میں ٹھری رہو[19]" کیونکہ یہاں ان مکانات کی نسبت آپ ﷺ کی طرف نہیں بلکہ ازواج مطہرات کی طرف کی گئی ہے۔ شیعہ اور سنی تمام متفق ہیں کہ حضرت حسنؓ نے بوقت وفات حضرت عائشہؓ سے اپنے نانا کے ہاں دفن کے لئے اجازت مانگ لی تھی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نزدیک یہ اس عموم کے لئے مخصص تھا جس کو آپ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست بغیر کسی واسطے کے سنا تھا اور علم اصول فقہ کے شیعہ سنی تمام علماء متفق ہیں کہ متواتر اور آحاد میں اخبار کی تقسیم بعد میں آنے والوں کے لئے ہے جنھوں نے آپ ﷺ سے براہ راست استفادہ نہیں کیا۔ پس یہ ابو بکر صدیقؓ کے حق میں خبر متواتر کی طرح قطعی تھا اور فاطمہؓ کا ناراض ہونا تو بشریت کے تقاضے کی بنیاد پر تھی، حالانکہ ابو بکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ کی سفارش سے اس کو راضی بھی کیا تھا[20]۔"

4. "وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ" [21]

"اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔"

- **نکاح کتابیہ**

وہ لکھتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے کتابیہ کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن شیعہ کے نزدیک کتابیہ کا حلال ہونا یا تو بطور متعہ ہے یا بطور ملک یمین، لیکن یہ نہایت کمزور ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت سورۃ البقرۃ اور سورۃ الممتحنۃ کی آیت سے منسوخ ہوئی ہے اور کتابیہ کے ساتھ دائمی نکاح درست نہیں۔ وہ اس آیت میں یہ تاویل بھی کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہیں جو کہ ایمان لے آئیں۔ اس آیت کے منسوخ ہونے پر وہ ابو جعفر سے روایات بھی نقل کرتے ہیں، لیکن اہل السنۃ کے نزدیک وہ صحیح نہیں۔ ابن جریرؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی آخر الزمان نے تمام غیر مسلم عورتوں سے نکاح منع فرمایا تھا۔ عبد الرزاقؒ اور منذرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ جابرؓ سے یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح کے بارے میں استفسار کیا گیا تو فرمانے لگے "فتح کے زمانے میں ہم ان سے نکاح کرتے تھے کیونکہ مسلمان عورتیں نہیں ملتی تھیں، لیکن واپسی پر ہم نے ان کو طلاق دیدی۔ ابن جریرؒ نے حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ ان سے نکاح کتابیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا؛ آخر کتابیہ کی کیا ضرورت ہے جبکہ مسلمان عورتیں موجود ہوں، تاہم اگر کوئی پھر بھی ایسا کرنا چاہتا ہو تو کسی پاکدامن کتابیہ کو تلاش کرے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن عباسؓ، حسنؒ اور مجاہدؒ سے منقول ہے کہ کتابیہ عورتوں کے ساتھ نکاح منسوخ ہوا ہے[22]۔"

5. "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ" [23]

"اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے، اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں تک (دھولیا کرو)۔"

- **وضو میں ہاتھوں کے دھونے کا طریقہ**

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

"شیعہ کے نزدیک وضو میں ہاتھوں کے دھونے میں یہ واجب ہے کہ کہنیوں کی طرف سے شروع کی جائے۔ طبری مجمع البیان میں ان سے یہ اخذ کرتے ہیں، لیکن مجھے اس کے بارے میں معقول دلیل معلوم نہ ہو سکی[24] ۔"

6. "وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ" "اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولو"

- **وضو میں پاؤں کا حکم**

علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"أَرْجُلَكُمْ" میں زبر اور زیر دونوں قراءتیں متواتر ہیں اور اسی بناء پر پاؤں کے دھونے اور مسح میں قدرے اختلاف ہے۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں: قفالؒ نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ، انسؓ، عکرمہؒ، شعبیؒ اور باقرؒ سے نقل کیا ہے کہ ان کا حکم مسح کا ہے اور یہی امامیہ کا قول ہے۔ جمہور کے نزدیک ان کا دھونا لازم ہے۔ داؤدؒ اور ناصر الحق زیدی کہتے ہیں کہ دونوں کے مابین جمع لازم ہے۔ حسن بصریؒ اور ابن جریر طبریؒ کہتے ہیں کہ مسح اور دھونے میں اختیار ہے۔ قائلین مسح کی دلیل زیر کی قراءت ہے کہ یہ رُءُوسِكُمْ پر عطف ہے اور جر جوار پر حمل کرنا باطل ہے کیونکہ یہ تو شعر میں بوقت ضرورت لیا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ اس وقت جائز ہے جبکہ التباس کا خوف نہ ہو، حالانکہ یہاں تو التباس کا خوف موجود ہے اور جر جوار حرف عطف کے ساتھ عرب سے منقول نہیں۔ اور زبر کی قراءت کو بھی مسح پر حمل کیا ہے کہ یہ رؤس کے محل پر عطف ہے تو یہ دونوں حکم میں مشترک ہیں اور دھونے کے جو اخبار ہیں وہ آحاد ہونے کی وجہ سے قرآن کے ناسخ نہیں ہو سکتے۔ امام رازیؒ کہتے ہیں کہ ان کا جواب اس کے بغیر ممکن نہیں کہ دھونے کے بارے میں بہت زیادہ روایات آئی ہیں اور دھونا مسح پر مشتمل ہے، جبکہ مسح دھونے پر نہیں۔ اس لئے از راہ احتیاط دھونا ہی لازم ہے۔ دوم یہ کہ إِلَى الْكَعْبَيْنِ کے ساتھ تحدید آئی ہے جو کہ دھونے میں ہے نہ کہ مسح میں۔ اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ کعب سے وسط قدم کی ہڈی مراد ہے، تو اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ مسح پاؤں کے ظاہر پر ہے۔ دوم یہ کہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ کعبین سے ٹخنے مراد ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ پاؤں کی پشت پر اس حد تک مسح لازم ہے۔ اس کے بعد امام لکھتے ہیں کہ دونوں قراءتوں کے متواتر ہونے میں تو کوئی شک نہیں، لیکن ہر دو فریق بطور قاعدہ علم اصول فقہ یہ مانتی ہیں کہ جب متواتر قراءتیں آپس میں متعارض ہوں تو ان کا حکم دو آیتوں جیسے ہوتا ہے، تو سب سے پہلے ہم تطبیق کی کوشش کریں گے، کیونکہ اصل اعمال ہے نہ کہ اہمال۔ پھر ترجیح کو تلاش کریں گے اور اگر ترجیح کی بھی کوئی صورت نہیں بنتی تو پھر دونوں کو چھوڑ کر دیگر دلائل کی

طرف رجوع کریں گے، اور علماء علم اصول کہتے ہیں کہ اگر دو آیتوں میں تطبیق اور ترجیح ممکن نہ ہو تو پھر سنت کی طرف رجوع کی جائے گی۔ یہاں تطبیق دو طریقوں سے ممکن ہے ایک یہ کہ مسح کو دھونے پر حمل کیا جائے جیسا کہ ابو زید انصاریؒ وغیرہ کا قول ہے۔ دوم یہ کہ زیر والی قراءت جواز پر محمول ہو۔ یہ بھی لکھا ہے کہ زیر کی قراءت موزوں کی صورت پر محمول ہے اور زبر کی قراءت موزوں کے بغیر خالی پاؤں کی صورت پر۔ پھر شیعہ سے پاؤں دھونے کی روایات نقل کی ہیں اور ابو العالیہؒ، عکرمہؒ اور شعبیؒ کی طرف منسوب روایات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہیں اور مسح اور دھونے کے مابین جمع یا تخییر کی جو روایت ابن جریرؒ کی طرف منسوب ہے، اس کے بارے میں کہا ہے کہ شائد یہ وہ مشہور ابن جریر نہیں، بلکہ یہ محمد بن جریر بن رستم ہے جو کہ الایضاح للمسترشد فی الامامۃ کا مصنف ہے، کیونکہ ان کی تفسیر میں تو صرف مسح اور دھونے کو جمع کرنا منقول ہے اور روایات مسح کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں۔ سیوطیؒ سے نقل کیا ہے کہ پہلے مسح کا حکم تھا جو کہ بعد میں منسوخ ہوا لیکن قراءتیں دونوں رہیں۔ علامہ آلوسیؒ کہتے ہیں کہ یہ نہایت ضعیف ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ اس بحث سے رازیؒ کے قول کا ضعف معلوم ہوتا ہے[25]۔"

7. "أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا[26]
"(اے پیغمبر) سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کرو۔ اور فجر کے وقت قرآن پڑھنے کا اہتمام کرو۔ یاد رکھو کہ فجر کی تلاوت میں مجمع حاضر ہوتا ہے۔"

علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"کہا گیا ہے کہ غسق اللیل سے عام مفہوم میں مغرب اور عشاء کا وقت مراد ہے، جیسا کہ دلوک سے مراد وہ وقت ہے جو کہ ظہر اور عصر کو شامل ہے، یعنی یہاں غایۃ مغیا میں داخل ہے۔ اس کو شیعہ کی ایک جماعت نے اختیار کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بغیر کسی عذر کے جمع کی دلائل میں سے ایک یہ ہے اور عیاش کی روایت سے اس کی تائید کی ہے کہ ابو عبد اللہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالی نے چار نمازیں فرض کی ہیں جن میں سے دو نمازوں کا وقت زوال سے لیکر غروب تک ہے اور دو کا وقت غروب سے لیکر نصف اللیل تک ہے۔ علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں: جمہور کے نزدیک دلوک الشمس سے مراد ظہر کا وقت ہے اور غسق اللیل سے مراد عشاء کا پھر لکھتے ہیں کہ روایات سے قطع نظر اس آیت سے ان کی استدلال تام نہیں کیونکہ اگر روایات سے صرف نظر کیا جائے تو پھر اس سے چاروں کے مابین جمع کرنا معلوم ہوتا ہے نہ کہ دو دو کے۔ اس لئے ان میں سے ابو جعفر نے اس کو پسند نہیں کیا ہے ہاں بعض احادیث کے ظاہر سے اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں بغیر کسی خوف اور بارش کے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کو اکٹھے پڑھتے تھے پھر کہتے ہیں کہ آئمہ کی ایک جماعت کے نزدیک کسی خاص حاجت کی بناء پر جمع جائز ہے لیکن

اس کو عادت نہیں بنا لینا چاہیئے۔ یہ ابن سیرینؒ، اشہبؒ، قفال شاشیؒ، ابو اسحاق مروزیؒ اور ابن منذرؒ وغیرہ سے منقول ہے جس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے کہ جب ابن عباسؓ سے سوال پوچھا گیا کہ نبی آخر الزمان نے ایسا کیوں کیا تو کہنے لگے کہ لوگ حرج میں نہ پڑے۔ جو اس بات پر دلیل ہے کہ امام ترمذیؒ نے کتاب کے آخر میں اس روایت کے متعلق جو بھی لکھا ہے وہ عدم تتبع کی بناء پر ہے [27]۔"

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ[28]

"اور جو عورتیں حاملہ ہوں، ان کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں۔"

اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے خواہ طلاق یافتہ ہو یا بیوہ لیکن حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت طلاق یافتہ عورتوں کے بارے میں ہے اور حاملہ بیوہ کی عدت آخر الاجلین ہے یعنی مطلقہ کی عدت اور حاملہ کی عدت میں سے جو زیادہ طویل ہو وہی اس کی عدت ہے۔ یہی امامیہ کا مذہب ہے جیسا کہ مجمع البیان میں ہے [29]۔"

خلاصہ بحث

تفسیر روح المعانی ایک اہم اور مفید تفسیر ہے۔ اس تفسیر کے پانچویں پارہ۔ نصفِ اول میں علامہ آلوسیؒ نے فقہ جعفریہ کے جو چیدہ چیدہ مسائل پر جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حالت سفر و مرض میں روزہ رکھنے اور افطار کرنے میں جمہور اہل علم کے نزدیک اختیار ہے لیکن شیعہ امامیہ وجوب افطار کے قائل ہیں۔ بیک وقت تین طلاقیں جمہور اہل اسلام کے نزدیک تین ہی واقع ہوتی ہیں لیکن امامیہ اور ابن تیمیہؒ کے مسلک کے مطابق یہ ایک ہی واقع ہوں گی۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک ترکہ نبوی قانون وراثت سے مستثنیٰ ہے لیکن جعفری فقہاء اس استثناء کے قائل نہیں۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک نکاح کتابیہ سورۃ المائدۃ کی آیت کی بناء پر جائز ہے، لیکن فقہ جعفریہ کے مطابق یہ آیت سورۃ البقرۃ اور سورۃ الممتحنۃ کی آیت سے منسوخ ہے اور نکاح کتابیہ ناجائز ہے۔ جمہور کے نزدیک وضو میں پاؤں کا دھونا لازم ہے، لیکن امامیہ کے نزدیک ان کا حکم مسح کا ہے۔ جعفریہ بغیر کسی عذر کے دائمی طور پر جمع بین الصلاتین یعنی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو اکھٹے پڑھنے کے قائل ہیں، جبکہ جمہور کے نزدیک کبھی کبھار مخصوص حالات میں ایسا کیا جاسکتا ہے لیکن دائمی طور پر ایسا کرنا جائز نہیں۔ حاملہ بیوہ کی عدت جمہور کے نزدیک وضع حمل یعنی بچہ جننا ہے، جبکہ جعفری فقہاء کے نزدیک آخر الاجلین ہے یعنی مطلقہ کی عدت اور حاملہ کی عدت میں سے جو زیادہ طویل ہو وہی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

1 زرکلی، خیر الدین، الاعلام (بیروت: دار العلم، 1980ء) 7: 176

2 ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 1982ء) 6: 255

3 فقہ جعفریہ کے آئمہ اور کتابوں کا تفصیلی ذکر میں نے ایم فل کے تحقیقی مقالے بعنوان فقہ حنفیہ اور فقہ شیعہ امامیہ کے اختلافی مسائل کا علمی، تحقیقی اور تقابلی جائزہ میں کیا ہے۔

4 سورۃ البقرہ 2: 184

5 آلوسی، ابو الفضل شہاب الدین محمود بغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع الثانی 2 (بیروت: داراحیاء التراث العربی، 1422ھ) 2: 58

6 سورۃ البقرۃ 2: 229

7 روح المعانی 2: 137، تفسیر سورۃ الطلاق 65: 1

8 سورۃ النساء 4: 11

9 ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری (بیروت: دارابن کثیر ،1987ء) کتاب الخمس، باب فرض الخمس، حدیث (2926- 27)

10 طبرسی، احمد بن علی بن ابی طالب، الاحتجاج (لبنان: نجف، 1966ء) 1: 138

11 سورۃ الطلاق 65: 1

12 سورۃ النمل 27: 16

13 سورۃ مریم 19: 5- 6

14 صحیح البخاری، کتاب الخمس، باب فرض الخمس، حدیث (2927)

15 کلینی، ابوجعفر محمد بن یعقوب، الکافی، کتاب فضل العلم (ایران: دارالکتب الاسلامیۃ ،1388ھ) 1: 32

16 سورۃ النساء 4: 24

17 صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لاتنکح المرأة على عمتها، حدیث (4819)

18 الکافی، باب ان الائمة ورثوا علم النبي وجميع الانبياء والاوصياء الذين من قبلهم 1: 224

19 سورۃ الاحزاب 33: 33

20 روح المعانی 4: 217

21 سورۃ المائدۃ 5:5

22 روح المعانی 6: 66 ،سورۃ البقرۃ 2: 221

23 سورۃ المائدۃ 5: 6

24 روح المعانی 6: 17

25 روح المعانی 6: 71

26 سورۃ بنی اسرائیل 17: 77

27 روح المعانی 15: 133

28 سورۃ الطلاق 65: 4

29 روح المعانی 28: 168